

## “حالی اور اصلاح نسواں”۔۔۔ مجالس النساء کی روشنی میں

ڈاکٹر شاہدہ مناف

صدر شعبہ اردو

راجے چھترپتی آرٹس۔ کالج۔ بلڈانہ (مہاراشٹر)

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کا شمار جدید اردو ادب کے شاعروں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کے ذریعے ملک و قوم کی ایسی خدمت انجام دی جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے حالی کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ “تاریخ سیاسی میں، تاریخ تعلیمی میں، تاریخ معاشرت میں، تاریخ ادب میں جہاں کہیں پچھلی نصف صدی میں کسی صحیح حرکت کی روانی دکھائی دے تو اس کا سلسلہ اس ادیب، شاعر، مصلح، محب الوطن اور سب سے زیادہ اس صاف دل خصائل انسان کی کاوش ذہین کے چشمہء صافی سے جاملتا ہے۔۔۔۔۔”

حالی کی پیدائش ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں ہوئی۔ حالی ہی کی دین ہے جو اردو شاعری محض گل و بلبل کی شاعری نہ ہو کر زندگی اور اس کے حقائق کی ترجمان بن گئی۔ حالی کی نثر نگاری کا آغاز ۱۸۶۱ء سے ہوا سب سے پہلے انھوں نے مذہب سے متعلق ایک کتاب لکھی جس نے زیادہ شہرت نہیں پائی جو “تاریخ مسموم” کے نام سے موسوم تھی۔ ان کی پہلی اہم نثری تصنیف “مجالس النساء” ہے۔ یہ عورتوں کی تعلیم سے متعلق ہے۔ لیکن اس کا انداز ناول کا ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی کیونکہ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے اپنے عہد کی مکمل عکاسی کی ہے اور اس وقت کے حالات زمانہ میں عورتوں کی تعلیم سے بے رغبتی، لڑکیوں سے نفرت، عورتوں کے ساتھ بے راہ روی کا تعلق، علم و ہنر کی قید، سماجی بندشیں، عورتوں اور لڑکیوں کا سماج میں استحصال، لڑکا اور لڑکی کا بھید بھائو، عورتوں کی مختلف رسم و رواج کی پابندی، اور جہالت میں ملوث ہونا اور اسے اپنا ورثہ سمجھنا، یہ سب حالی کو گوارا نہ تھا اس لئے آپ نے عورتوں کی تعلیم و تربیت، لڑکیوں کی اصلاح، اولاد کی تعلیم و تربیت، جدید علم و ہنر سے وابستگی پیدا کرنے کی خاطر گویا مجالس النساء کے ذریعے سماجی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

قوم کی اصلاح کی فکر حالی کو بہت پریشان کیا کرتی تھی۔ اور یہ بات ابھر کر اس وقت سامنے آئی جب وہ سرسید کے افکار ملی سے وابستہ ہوئے حالانکہ وہ پہلے ہی سے یہ کام شروع کر چکے تھے لاہور کے قیام کے دوران انہوں نے محمد حسین آزاد کے قیام کردہ نئے طرز کے مشاعروں میں جو کلام سنایا ان سے ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ حب الوطن، برکھارت، کلمتہ الحق وغیرہ ان کی اصلاحی نظمیں ہیں۔ جن کا مقصد خالص قوم کی بیداری کے سوا کچھ نا تھا۔ مجالس النساء بھی اسی زمانے کی تصنیف ہے۔ حالی عورتوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ ان کی تعلیم، تربیت اور فلاح و بہبود کی بڑی فکر کیا کرتے تھے۔ وہ اس بات پر بڑے دکھی ہوا کرتے تھے کہ عورتوں کو مردوں نے تعلیم کی روشنی سے محروم کر رکھا ہے۔ جس کی پہلی جھلک “مجالس النساء” میں نظر آتی ہے۔ بعد میں ان کا یہی درد ان کی اگلی تصنیف “چپ کی داد” میں ڈھل کر سامنے آیا حالی کی جدوجہد صرف اور صرف قلمی حد تک نا تھی۔ بلکہ انھوں نے اپنے خاندان، محلے اور وطن کے لئے پانی پت میں لڑکیوں کی تعلیم کو رائج کیا۔ اور لڑکیوں کے لئے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے آپ نے اردو شعر و ادب میں ہی نہیں بلکہ مغربی ادب سے خاصی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو برطانیہ سرکار نے شمس العلماء کا خطاب سے نوازا۔

مولوی نظیر احمد نے “مرات العروس” ، “مجالس النساء” سے پانچ سال قبل لکھی تھی دونوں کا مقصد تقریباً ایک ہی تھا۔ فرق اتنا ضرور تھا کہ “مرات العروس” مولانا نذیر احمد نے اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر تحریر کیا تھا۔ لیکن اس کے انداز بیان کی دلکشی اور افادیت کی وجہ سے بہت سراہا گیا۔ اور انھیں لوگوں کے اسرار پر اسے چھوڑنا پڑا۔ انھیں اس پر انعام و اعزاز سے نوازا گیا۔ اس کے برخلاف “مجالس النساء” کے

مصنف کے پیش نظر پوری قوم کی بچیوں اور عورتوں کی تعلیم کا مقصد تھا۔ تبصرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کی دوسری تصانیف کی بدولت اس وقت اس تصنیف نے فوراً مقبولیت پالی اور جیسا کہ مثنیٰ دیانراں نگم فرماتے ہیں، اس وقت کے ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم کو یہ کتاب اس قدر پسند آئی کہ انھوں نے لارڈ ناتھ بروک گورنر جنرل ہند سے سفارش کر کے مولانا حالی کو اس تصنیف کے سلسلے میں چار سو روپے کا انعام دلایا اور پنجاب میں لڑکیوں کے مدرسوں میں یہ کتاب مدتوں پڑھائی گئی۔

مجالس النساء اس کتاب کو حالی نے دو حصوں اور نو مجلسوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اولاد کی تعلیم کی اہمیت و افادیت پر زور دیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کس طرح کی جانی چاہیے۔ اور دوسرے حصے میں اس پر روشنی ڈالی ہے کہ ماں کس طرح اولاد کی عمدہ تربیت کر سکتی ہے گویا ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے یہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہاں حالی کا سادہ سلیس اور بے تکلف انداز بیباں پر اثر ہے نصیحت کی تلخی اور واعظانہ خشکی کہیں نہیں۔ خلوص، محبت، ہمدردی اور دوستی کے ترانے پوری کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ حالی کے اسی انداز کو وقار عظیم کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ “معلم کی رویتی خشکی اور واعظ کی مثالی طوالت بیباں سے کام لینے کی بجائے ایک ہمدرد، درد مند ناصح کا وہ مسلک اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں دلجوئی اور دل نشینی کو بہر حال مقدم سمجھا جاتا ہے۔۔۔۔۔ آگے کہتے ہیں بات کو اس طرح ابھارا ہے جیسے کلی پھول بن رہی ہے۔۔۔۔۔ نصیحتوں میں بھی ہر جگہ شہد کی حلاوت ہے”

پہلی مجلس میں ایک جگہ لکھتے ہیں “ہاں پر اتنا ضرور ہے کہ وہ قیامت کے دن کہیں ہم سے یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ تم نے سیمٹوں کو جو علم کی دولت سے کیوں محروم رکھا؟ ان کو بیٹوں کے برابر کیوں ناعزیز سمجھا؟ ان کو دین کاراستہ کیوں نابتایا ان کو دنیا کی برائی بھلائی سے کیوں محروم رکھا۔۔۔۔۔ ہم نے ان کو اسلئے نہیں بتایا کی ماں باپ کے گھر کتے بلی کی طرح پرورش پائی اور خاوند کے ہاں جا کر لونڈیوں کی طرح اپنے دن پورے کرے۔۔۔۔۔ ایک پڑھنا لکھنا ایسی چیز تھا جو دنیا و آخرت میں کام آتا، سو ماں باپ نے اس کی ہوا تک نہ لگنے دی اور یہ سمجھا کہ اول تو ان کے پڑھانے لکھانے سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں دوسرے یہ پڑھنے لکھنے میں رہے گی تو گھر کر کام دھندے کون کرے گا؟ پہلی مجلس کے تیسرے حصے میں علم کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں “بیٹا، علم بڑی دولت ہے۔ علم سے خدا ملتا ہے۔ علم سے نجات ہوتی ہے۔ علم سے آگے مال اور دولت کی کچھ حقیقت نہیں ایک محتاج آدمی جو علم رکھتا ہے وہ بے علم بادشاہ سے بہتر ہے۔ ایک آدمی کا علم اور ہزار آدمیوں کی عبادت برابر نہیں ہوتی جس میں علم نہیں وہ آدمی نہیں جانور ہے اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں وہ گھر نہیں جانوروں کا ڈر باہے اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں وہ ملک نہیں ڈھوروں کا جنگل ہے”

“نہیں لاڈو! ایسی بات پھر نا کہنا۔ سارا گھر تو ایک طرف اور تمہاری الماری کی ایک کتاب کی الماری کی کتاب ایک طرف، رو بھی برابر نہیں ہو سکتی۔ ان کتابوں میں بعضے بعضے حروف ساری دنیا کے مول سے زیادہ ہے۔ جاتی ہے۔ اور بھوکے تنگوں کی اولاد امیر کیوں ہو جاتی ہے؟ بیٹا جب پٹھے لکھوں کی اولاد جاہل رہ جاتی ہے تو نیستی آ جاتی ہے کبھی کہتی بھلا یہ تو بتاؤ! اچھے کھاتے پیتوں کی اولاد فقیر کیوں ہو جاتی ہے اور جہاں بے پڑھوں کی اولاد کچھ پڑھ لیتی ہے اس گھر کے دن پھر جاتے ہیں”

“اگلے زمانے میں جو پڑھی لکھی عورتیں گزری ہے انھوں نے مردوں سے بھی بڑھ کر کام کئے ہیں شاہ جہاں بادشاہ نے اپنی بیٹی کو خوب پڑھایا لکھایا تھا۔ جب عالمگیر نے باپ کو قید کیا تو روشن آراء نے باپ کا ساتھ ناچھوڑا اور آپ بھی شاہ جہاں کے ساتھ قید خانہ میں چلی گئی۔ اور لونڈیوں کی طرح باپ کی خدمت کرتی رہی۔ دیکھو عالمگیر سائیں۔ پڑھا، لکھا، مولوی، نمازی، پرہیزگار، اس نے تو باپ کے ساتھ وہ سلوک کیا، اور بیٹی نے یہ حق ادا کیا کہ آج تک لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں یہ ساری علم کی خوبیاں ہیں”

مش مشہور ہے “نہ کر دن یک عیب و کر دن ہزار عیب”

دہلی کی عورتوں کی زبان، ان کالب و لہجہ، ان کا انداز گفتگو، ان کی تکرار عورتوں کے محاورات میں مانو حالی کو امتیاز حاصل تھا۔ کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا یہ تصنیف کسی خاتون مصنفہ کی ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں “ساس کو یہ چائو لگ رہا تھا کہ کب بہو آئے اور کب بیٹے کا گھر آباد ہو یا بہو کے آتے ہی سو غیروں کا ایک غیر ہو گئی۔ نندوں کو یا تو آٹھ پہر بھابھی کے نام کی تشبیح تھی۔ یا بھابھی کی صورت سے بیزار ہو گئی خاوند کا دل بھی جیسا چاہیے ویسا ناملا کیونکہ اول تو چودہ پندرہ برس کی جان کو بیاہ کا ایسا ہی چائو تھا؟

دوسری جگہ کہتے ہیں “اے بوا بچوں کی مائیں اگر اس قابل ہوں کہ اپنے بچوں کو آپ تعلیم کر لیا کریں تو اس ملک کے دن ہی نہ پھر جائیں” حالی نے سماج اور عورتوں کے اس خیال کو باطل کر دیا کے لڑکیوں کی پیدائش پر رنج و غم کا اظہار محض کم خیالی، جہالت اور وہم ہے۔ کیونکہ بیٹی خدا کا ایک انمول تحفہ ہے شاہ جہاں کی قید میں جس نے اس کا ساتھ دیا وہ لڑکا (اورنگ زیب) نہیں بلکہ اس کی بیٹی روشن آراء تھی۔ بیٹے نے باپ کو قید تو بیٹی نے باپ کی قید میں ہر وقت ساتھ رہنا منظور کیا۔ گویا یہاں مذہب کا کیا تقاضہ ہے؟ عقل کیا کہتی ہے؟ حکومت کا کیا رول ہے؟ یہ تمام مسائل پہلے حصے کی پانچویں مجلس میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں سید عباس کی تعلیم و تربیت کا مفصل بیان آتا ہے۔ بلکل ایک مختہ منضوہ ہی بندی کے تحت روزمرہ کے معمول کو پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ کس طرح ایک بچے کی تربیت ایک ماں سے بہتر کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اسلئے ایک ماں کا تعلیم سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اسے زندگی کے ہر سلیقہ اور ہنر سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ مزید اس حصے میں انگریزی حکومت کی برکات بلکہ ملکہ و کٹوریہ کی حکومت کو ہماری خوش نصیبی بتایا ہے اس انگریز قوم کی، ان کے اہل کاروں، حاکموں میں قابلیت کا پایا جاننا سب کی ایک ہی وجہ یعنی ان کا تعلیم سے آراستہ ہونا بتایا ہے۔

وقار عظیم کے کہنے کے مطابق “ دوسرے حصے میں مسائل کا دائرہ صرف گھریلو زندگی یا عورتوں کی زندگی کے مسائل تک محدود نہیں رہتا۔ اسمیں حالی نے ایسی ایسی باتوں کو اپنا موضوع بنایا ہے جو پچھلی پانچ مجلسوں کے مقابلے میں طویل طرہ ہے۔ اس میں انگریزی حکومت کی برکتوں کا مفصل ذکر ہے البتہ اس گونا گوں برکتوں کا رشتہ کسی نہ کسی طرح گھریلو زندگی سے بھی جوڑا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ انگریزوں کے پگیلائے ہوئے علم کی روشنی میں ہمیں بری رسموں کے اندھیرے سے نکال کر عقل و فہم کی راہ دکھائی ہے ”

حقیقت یہ ہے کہ “ مجالس النساء ” حالی کی ادبی زندگی کے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں ان کے ایک الگ ہی رویہ اور اسٹائل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ بڑی سے بڑی بات کو آسان، سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس میں آگے چل کر ان کی تحریر میں زیادہ نکھار اور انفرادیت پیدا ہوئی۔ لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہو، بچوں کی تربیت ہو، بچوں کے کھیل یا دوسرے مشاغل، معلم کی خوبیوں کا ذکر ہو، سماجی، سیاسی و مذہبی مسئلہ کا ذکر ہو بیماری و تیار داری یا کوئی حاکم اور حکومت کا بیان ہو حالی اپنے ضبط و اعتدال، اخلاقی اقتدار، فطری انداز، نفسیاتی رسائی، سلاست زبان، اسلوب کی سادگی، بے تکلف بول چال، فطری اور منطقی انجام، نرمی، شیرینی، تناسب امثال اور نیک جذبے کی بناء پر ایک اصلاح قوم ثابت ہوئے ہیں۔ بالآخر یہ عظیم مصلح و شاعر و ادیب اور فرشتہ صفت انسان ۱۹۱۴ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کر گیا۔

چند محقق اور تبصرہ نگار وغیرہ کا کہنا ہے کہ اردو ناول کے ارتقاء میں اس کتاب کوئی اہمیت حاصل نہیں ہو سکتی لیکن نذیر احمد نے جو اصلاحی قصوں کا سلسلہ شروع کیا تھا اس میں بھی مجالس النساء ایک کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ نذیر احمد کی طرز پر بعد میں بھی کئی کتابیں اور رسائل شائع ہوئے جن میں خاص کر بیگماتی زبان کا استعمال کیا گیا اور ان مسائل کو پیش کیا گیا جسے مولوی سید احمد دہلوی۔ سید غلام حیدر خاں، سر سید احمد خاں، عبدالمجید سالک نے اپنی کتابوں میں پیش کیا تھا۔ اس کے بعد کے دور میں بھی کئی رسائل اور جرائد ان مسائل پر لکھے گئے۔ درالحقیقت “ مجالس النساء ” اس دور کی اہم ضرورت تھی۔ لیکن اگر ہم آج کے دور میں بھی اس کا موازنہ کریں، اس کی تشریح کریں تو “ مجالس النساء ” اور حالی کے مقصد کو ہم آج کے دور کی بھی اہم ضرورت تسلیم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تعلیم مردوزن، ہر ایک انسان کے لئے زیور سے کم نہیں جو انسان کو انسان بناتی ہے۔

اسی لئے آج کے معاشرے میں تعلیم و تدریس، اخلاقی قدروں، جدید علم و ہنر، مذہبی سماجی سیاسی معلومات، اور ان علوم سے وابستگی آج بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کل تھی۔

☆ حوالہ کتب ☆

- ۱۔ مجالس النساءئ۔ خواجہ الطاف حسین حالی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ۔ نئی دہلی
- ۲۔ تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ۔ دہلی
- ۳۔ تاریخ ادب اردو۔ پروفیسر نور الحسن نقوی۔ علی گڑھ
- ۴، خواجہ الطاف حسین حالی کے سوا شعرا۔ آزاد ضمیر گکھری۔ امبیڈکر نگر

پتہ۔ پروفیسر ڈاکٹر شاہدہ مناف

صدر شعبہ۔ اردو

راہے چھترپتی کالج آرٹس کالج۔

بلڈانہ (۴۴۳۰۰۱) مہاراشٹر